منشا محسن علی

آگ

باب اول

شہر خیال

کنیز فاطمہ جس کی ذہانت اور وقار کے پورے تھل میں چرچے تھے کہ وہ پہلی لڑکی تھی جو اتنے بڑے شہر سے پڑھ لکھ کر آئی تھی۔ کیلکولیٹر کھولے وہ ہندوسوں کے حساب کتاب میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ حساب کتاب میں کبھی بھی کچی نہیں رہی تھی مگر اب کی بار دل میں چور آ رہا تھا۔ کنیز فاطمہ کا ظرف رائی کے دانے جتنا بھی نہیں رہا تھا۔ وہ چار سالوں میں تھل واسی نہیں رہی تھی۔ وہ بدل گئی تھی بہت..... یہ بات سب سے پہلے بختاور کے علم میں آئی تھی۔ اس کی بات سکندر سے طے تھی۔

www.zemtime.com

بختاور اس سے سکندر کا ذکر رہی تھی۔ اور وہ لاہور میں پاپ کورن بیچنے والے کو یاد کر رہی تھی جس سے اس کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ جس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ تمکین جمال نے لمحوں کی واردات کا شکار ہونے والی تھل واسی کنیز فاطمہ اور پاپ کورن بیچتے نیلی آنکھوں والے شخص کا راز پالیا تھا۔

تمکین جمال..... جمال دین کی بیٹی جو مسالوں کا کاروبار کرتے تھے۔ ماں بچپن میں مر گئی تھی۔ تمکین کو اگر کسی چیز سے نفرت اور وحشت تھی تو وہ چیزیں تھیں بادیان کے پھول، الائچی، لونگ اور جائفل کیونکہ اسکول میں سب اس کا مذاق اڑاتے تھے کہ اس کے اندر سے مسالوں کی بو آتی ہے۔ اس نے کنیز سے کہا تھا کہ وہ اپنی آگے کی زندگی میں کوئی شہزادہ ڈھونڈے گی جو پھولوں اور خوشبوؤں کا کاروبار کرتا ہوں مگر وہ ارسلان مکرم نامی شہزادے کو ڈھونڈ چکی تھی وہ بادیان کے پھول اور لونگ کا بیوپار کرتا تھا۔ وہ شدت سے روتے ہوئے کنیز فاطمہ سے بات کر رہی تھی۔

''کاش ہم دونوں بھی سیرت امتیاز کی طرح سب چھوڑ چھاڑ کر دل کے مرض کا سہارا لے کر کسی اور طرف نکل جاتے۔''

سیرت امتیاز آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ میں ہتھیلی پر مٹی کی ایک خوب صورت صراحی لیے خوش ہوتی ہوئی باہر آ رہی تھی۔ سرخاب خان کی ٹکر سے صراحی گر کر ٹوٹ گئی۔ اس نے دوسری ملاقات میں سرخاب خان سے پوچھا تھا کہ کیا وہ لمحوں کی واردات پر یقین رکھتا ہے۔ سرخاب خان نے انکار کر دیا تھا مگر آج وہ لمحوں کی واردات کا مکمل شکار اس کے گھر کو تنگ گلیوں

www.zemtime.com

میں ڈھونڈنے آیا تھا۔ سیرت امتیاز کے سوتیلے بہن بھائی تھے۔ اس کی بوا نے سرخاب خان کو اس کی ڈائری دیتے ہوئے کہا تھا کہ اب یہاں نہیں آنا۔ سرخاب اس کی ڈائری پڑھ رہا ہوتا ہے جہاں اس کی دوست عدن جبار کا نام لکھا ہوتا ہے۔

سائٹ

عدن جبار کی زبان میں زہر اگ آیا تھا۔ جس نے فردوس گوہر کو نیلا کر دیا تھا۔ عدن جبار نے فردوس گوہر پر الزام لگایا تھا کہ فردوس گوہر خلیل کو اس سے چھینا ہے۔ اس کے ساتھ کنیز فاطمہ اور تمکین جمال بھی تھیں۔ عدنان جبار نے اسے پیرا سائٹ کہا تھا۔ عدن جبار سے جھگڑے کے بعد اس نے اپنا موبائل پنجاب یونیورسٹی کے زرعی رقبے کی طرف اچھال دیا تا۔ وہاں کے در و دیوار نے شعبہ ابلاغیات کی اس اپسرا کو بالکل مطمئن جاتے دیکھا تھا۔ مگر اس راز سے صرف نتاشا ابراہیم ہی واقف تھی کہ وہ اپسرا نہیں تھی، وہ کچھ اور ہی تھی۔

گھات

نتاشا ابراہیم فردوس گوہر کا ''قطب نما'' تھی، جو سمت دکھاتا ہے، جس پر بھروسے کیے جاتے ہیں۔

فردوس گوہر'' اٹل برانڈ'' کے لیے ماڈلنگ کر رہی تھی، ابھی وہ ریمپ پر جانے ہی والی تھی کہ موسیٰ کی پروفیشنل رپورٹنگ نے صور پھونک دیا اور سب کچھ تباہ ہو گیا تھا۔

نتاشا ابراہیم اپنی دو بہنوں اور والدین کے ساتھ اندرون لاہور کی تنگ و تاریک گلیوں میں رہتی ہے۔ اس نے بیوٹیشن کا کورس کر کے گھر میں ''نتاشا سیلون'' کے نام سے پارلر کھول لیا ہے۔

بچپن ہی سے کنزاں فاطمہ کی گھٹی میں تھل کا عشق سجایا ہوا تھا۔ تب وہ ریت، کھگل درویش اور اونٹوں کی قطاروں کی ٹلیوں کے عشق میں گرفتار تھی۔ جیسے ہی میٹرک کا امتحان دینے وہ شہر آئی تو اسے اپنا دل تقسیم ہوتا محسوس ہوا اور اس کی خواہش پر فیصلہ ہو گیا کہ وہ مزید تعلیم حاصل کرے گی۔

نتاشا ابراہیم انٹرویو دینے ماڈل ٹاؤن کی ایک کوٹھی میں آتی ہے۔ ایک امیر کبیر گھرانے کو اپنی بیٹی کی گرومنگ کے لیے ٹیچر کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اپنی بیٹی کو نتاشا ابراہیم سے ملواتے ہیں۔

انتہائی گھنے زمین کو چھونے والے سیاہ سیدھے بالوں والی وہ لڑکی فردوس گوہر تھی۔

سرخاب خان کی سالوں سے ہولے ہولے ہمیشہ کی طرح درنجف کا تعاقب کرتا چلا آ رہا تھا کہ اسے پتا نہیں چلے گا لیکن اسے پتا چل جاتا تھا۔ وہ کہتی تھی کہ ''سرخاب خان تم کبھی اچھے تعاقب کرنے والے ثابت نہیں ہو سکو گے۔ درنجف کو دعوا تھا کہ وہ سرخاب کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ درنجف کے ماں باپ کے انتقال کے بعد اس کی خالہ جسے وہ مورے کہتی تھی۔ سرخاب کی ماں اسے اپنے گھر لے آئی تھی اور ان دونوں کا نکاح پڑھا دیا تھا۔ سرخاب خاں لاہور شہر کی یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ درنجف نے اس سے کہا تھا کہ تمہیں شہر میں یونیورسٹی کی کوئی لڑکی اچھی لگے تو اسے پسند کر لینا۔

مسز جبار ملکوں کی حویلی کی سب سے شاندار لڑکی تھیں شہر میں آ کر انہوں نے تیزی سے اپنے آپ کو گرو م کیا تھا لیکن ان کا شوہر ان کے حوصلے کی عمارت ڈھیر کر دیتا تھا۔ بیٹی عدن جبار بھی باپ کے ساتھ مل کر ان کا مذاق اڑاتی تھی۔ عدن جبار اپنے دوست خلیل کو پسند کرتی ہے۔ خلیل کے ابا سائیکالوجسٹ تھے۔ گھر کی دوسری منزل پر ان کا اپنا کلینک ہے۔

خلیل اپنی اسپورٹس کار پورچ میں دھلوا رہا ہوتا ہے تو ایک لڑکی اپنے والدین کے ساتھ کلینک میں آتی ہے۔ وہ لڑکی فردوس گوہر ہے۔

خام:۔

جس وقت کنیزاں کو شہر میں نمیڈلز دیا جا رہا تھا بختاور کو احساس ہوتا ہے کہ وہ تو خام ہے۔ بھلا خام بھی کوئی مول کی شے ہوتی ہے۔ کنیزاں کی شادی سکندر سے طے ہے۔ وہ بختاور سے کہتی ہے کہ سکندر میرے معیار کے پیمانے پر چھوٹا پڑ رہا ہے۔

www.zemtime.com

بہت پسند تھے جو پوپلی بوا نے نہیں اسے دے دیے۔
تمکین ابا کے ساتھ لاہور آتی ہے۔ وہ ہوسٹل کے دروازے پر ان کے ساتھ لگی رو رہی ہوتی ہے ابا دعا دے کر لوٹ جاتے ہیں۔ تمکین جمال نے ہاسٹل کا گیٹ پار کر لیا تھا۔
عدن جبار اپنی ماں کشمالہ کو الزام دیتی ہے کہ آپ دونوں نے مجھے نظر انداز کیا ہے۔ آپ ہمیشہ ڈیڈی کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کرتی رہی ہیں اور مجھے نظر انداز کر دیا۔ کشمالہ کہتی ہیں کہ سب کا اپنا اپنا سچ ہوتا ہے۔ میرا..... تمہارا..... سب کا.....
عدن جبار 23 مارچ کو امبرین ہوٹل پہنچتی۔ وہاں اسے ایک روم میں شہلا اپنے باپ کے ساتھ ملتی ہے۔ وہ بیٹی سے معافی مانگتے ہیں اور گھر واپس آ جاتے ہیں۔
نتاشا ابراہیم کو فردوس گوہر کے والدین اسے گردم کرنے کے لیے اپائنٹ کرتے ہیں۔ دونوں کی کافی دوستی ہو گئی ہے۔ ایک ریستوران میں جہاں دونوں آئس کریم کھا رہی ہوتی ہیں ایک لڑکا فردوس گوہر سے اظہار محبت کرتا ہے۔ فردوس یہ کہہ کر انکار کر دیتی ہے کہ میرے اندر محبت کا وصف ہی نہیں ہے۔
دشت لیلیٰ
کنیزاں فاطمہ ابا کے ساتھ شہر جا رہی تھی۔ یونیورسٹی میں پڑھنے۔ اس کی بات سکندر سے طے کر دی گئی تھی۔ بختاور کنیزاں پر رشک کرتی ہے کنیزاں کو جو حاصل ہے وہ اسے حاصل نہیں ہے۔ جتنی اس کی عزت ہے تھل کی اور لڑکیوں کی نہیں ہے وہ کہتی ہے تم تو لیلیٰ ہو۔ یہ تھل تمہارا ہے۔ دشت لیلیٰ ہے ہم تو چاک کے کوزے بھی نہیں۔
فردوس گوہر ڈاکٹر طلال سے کہتی ہے کہ وہ تھکنے لگی ہے۔ لوگ اسے مکمل سمجھتے ہیں۔ خوف اس کا پیچھا کرتے ہیں کہ اگر کبھی زندگی میں کسی موڑ پر انہیں خبر ہو کہ فردوس گوہر تو.....
نتاشا ابراہیم نے فردوس گوہر کو صحیح معنوں میں گھڑنا شروع کر دیا تھا۔ اسے فردوس گوہر سے عقیدت تھی۔ اس کے وجود۔ اس کے عیب سے۔ اس کے نامکمل ہونے سے۔ فردوس گوہر کو نتاشا پر پورا بھروسا تھا۔
مسز جبار نے بہت دن بعد کھانا پکایا تھا۔ ماش کی دال دیسی گھی، لہسن کے تڑکے کے ساتھ۔ ان کی اماں کہتی تھیں کہ عورت کا سکون اس کے گھر اور رزق میں ہوتا ہے۔ عدن اور خلیل کو دال بہت پسند آئی تھی۔
گیتی آرا:
گیتی آرا کے پہننے اوڑھنے چلنے پھرنے کے پورے ہاسٹل میں چرچے تھے۔ وہ شاعرہ تھی۔ ہر بدھ کی شام سب کامن روم میں اکٹھے ہو کر اس کی منتظر ہوتی تھیں۔ وہ کہتی تھی میں ایک عشق زادی ہوں جسے دنیا گیتی آرا کہتی ہے۔
پنجاب یونیورسٹی شعبہ ابلاغیات کے حمید نظامی ہال میں تعارفی کلاس تھی۔ فردوس گوہر کی ٹھہری ہوئی آواز نے عدن جبار کو سر اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ عدن جبار کا تعلق بیوروکریٹ فیملی سے ہے۔
گیتی آرا چولستان کی شہزادی تھی۔ اس کے اپنے اونٹ اور مور تھے۔ وہ کہتی تھی کہ محبت میں زبردستی کے سودے نہیں ہوتے۔ وہ دل لے کر گئی تھی۔ اور سامنے والے کو جسم ضروری تھا۔
بدھ کی ایک شام جب تیز بارش نے درختوں تک کو جڑ سے اکھاڑنا شروع کر دیا تھا۔ معلوم ہوا گیتی آرا ہاسٹل واپس نہیں آئی تھی۔ لڑکیاں اسے ڈھونڈنے نکلیں وہ بوہڑ کے پاس کچنار کے تنے کے ساتھ لگی تھر تھر کانپ رہی تھی۔
وہ رات بھاری تھی۔ گیتی آرا پر..... سب پر

ساتواں باب

"اخبار زندگی"

نکے نکے گھر چڑیاں دے
وڈے وڈے ڈر چڑیاں دے
ڈھیم ماریاں اڈیاں کیوں نہیں
کھلدے کیوں نہیں پر چڑیاں دے
شکرے باز مگروں کیہہ لتھے
پے گئے کاگ مگر چڑیاں دے
جتھوں تیک زمین دی حداے
حد، بے حد سفر چڑیاں دے
پنجرہ کھول، چڑیاں وچ بہہ کے
چوگا اگے دھر چڑیاں دے
ست اسمان نگر چڑیاں دے
رب دے گھر وچ گھر چڑیاں دے

اخبار زندگی کے صفحے پلٹ جاتے ہیں۔کل کا واقعہ پرانا ہوجاتا ہے سب کچھ جیسے کسی گڑھے میں دفن کریا جاتا ہے جیسے گیتی آرا کو چولستان کے ریتلے قبرستان میں دفن کردیا تھا، ہر کوئی ایک بار پھر سے اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہوگیا تھا۔ہاسٹل کے درودیوار کے لیے گیتی آرا کا ذکر ممنوع تھا جیسے آسانی سے کندھے اچکا کر کہہ دیا جاتا ہے لو دیکھو رات گئی، بات گئی۔۔۔!

سب نے ابھی یونیورسٹی کے ماحول کو سمجھنا ہی شروع کیا تھا کہ اسائنمنٹ کا انبار سر پر آن پڑا تھا ۔مسلسل لگاتار کلاسز کے ساتھ ساتھ کام میں اضافہ ہی ہوتا جارہا تھا مگر لڑکیوں کے پاس کئی طریقے نکل آتے تھے کہ وہ اپنی گوسپس کی عادات سے سیر ہوجاتی تھیں۔

کوریڈور میں کھڑے ہوکر مس ڈیزی کی پونی ٹیل کو زیر بحث لایا جاتا تھا۔وہیں گرلز کامن روم میں بال سیٹ کرنے کے بہانے بھی کئی موضوعات کو نمٹالیا جاتا تھا۔جس میں سب سے خاص بات یہی ہوتی تھی کہ سبھی کو اپنے بارے میں یہی خوش فہمی تھی کہ گروپ میں کام کا سارا بوجھ اسی کے ناتواں کندھوں پر ہے۔یہی حال کیمسٹری ڈپارٹمنٹ میں کنیز فاطمہ کا ہوا تھا۔افلاطون قسم کا گروپ کے نصیب میں آیا تھا جنہیں ہر بات پر نروس ہونے اور کرکرے کے ڈھیروں پیکٹ کھانے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا، اوپر سے پروفیسر گردیزی ہر بار کنیز کی طرف خاص اشارہ کرکے پوری کلاس کے سامنے اسے ہیرو بنانے سے کبھی بھی باز نہیں آتے تھے۔

"مجھے معلوم ہے کہ کیمیا کی دنیا میں یہ لڑکی ضرور کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دے گی۔"

لڑکی زمین میں غرق ہوجاتی تھی، پسینے سے ہتھیلیاں بھیگ جاتی تھیں اور پھر کلاس کے ہر بندے کی اس کی طرف اٹھتی ہوئی ستائش اور حسد کی نظر اسے اور کسی اندھے کھوہ میں پھینک دیتی تھی۔

اس دن تو مانو وہ بختاور کے سامنے رو ہی دی تھی

"سر کو ذرا خیال نہیں کہ میری تعریفوں سے باز آجائیں۔"

"تو تعریف ہی کرتے ہیں ناں ویسے بھی تم اتنی لائق ہو۔"

"میں تھک گئی ہوں بختاور، ریس میں بھاگتے بھاگتے۔۔کلاس میں پوزیشن لو، بورڈ میں پوزیشن لو اور اب یونیورسٹی گلے پڑ گئی ہے۔"

بختاور نے پھلیوں کے ڈھیر کو سامنے پھیلا کر صاف کرنا شروع کردیا تھا، عصر ڈھل رہی تھی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں کنیزاں، مگر کوئی بات نہیں ہے۔انسان کو کسی کے اعتماد کی ٹیک لگی ہو تو سمجھو وہ گہرے سے گہرا سمندر بھی پار کرجاتا ہے۔"

وہ ڈپارٹمنٹ کے کوریڈور میں ٹہلتی پھر رہی تھی جہاں کچھ لیبز کے دروازے کھلے ہونے کی وجہ سے محلولوں کی بو سارے کوریڈورز میں بھی پھیلی ہوئی تھی ۔

"تم کیا کررہی ہو؟"

"پھلیاں صاف کرنے میں لگی ہوئی ہوں۔"

"میرا اتنا دل ہے گھر کا کچھ کھانے کو یہاں تو جیسے ذائقے بھی مصنوعی سے ہیں۔" پھلیوں کا سن کر ہی اس کے منہ میں جیسے بختاور کے ہاتھوں کی پکی

www.zemtime.com

ہوئی پھلیوں کا ذائقہ آ گیا تھا۔ خیر اس کے ہاتھوں کی پکی ہر شے کا ذائقہ سارے کھل میں مشہور تھا۔

بختاور اس کے روہانسے سے انداز پر دھیرے سے ہنسی تھی۔ عصر کی ہوا میں مکئی کے کھیتوں کی مخصوص مہک بھری ہوئی تھی۔

"لاہور جا کر لگتا ہے تمہیں کافی ساری چیزوں سے شکایت ہو گئی ہے۔"

"تو کیا کروں۔۔ ابھی تک اپنے ڈپارٹمنٹ میں کوئی ڈھنگ کی دوست نہیں بنا پائی ہوں کہ ذرا میں بھی اس کے ساتھ مل کر دوسرے ڈپارٹمنٹس کی سیر کر سکوں۔" وہ برے برے منہ بنا رہی تھی

سامنے سے رجسٹر تھامے سرگردیزی لیب کے سامنے سے گزرے تھے تو وہ ہولے سے رخ موڑ گئی تھی۔

"یہ ڈپارٹمنٹ کیا ہوتے ہیں؟" بختاور کو ابھی یونیورسٹی کی عمارت کا علم نہیں تھا وہ سارے سوال کنیزاں سے کرتی رہتی تھی۔

"یوں سمجھ لو ہر مضمون کی اپنی عمارت ہوتی ہے۔ گھر ہوتا ہے جہاں کمرے ہوتے ہیں اور وہاں صرف وہی مضمون پڑھایا جاتا ہے۔"

ابھی وہ بات کر رہی تھی کہ فائر الارم شروع ہو گئے۔ کلریکل اسٹاف کی دوڑیں لگ گئی تھیں اور مس ڈیزی ہانپتی کانپتی ہوئی اسٹوڈنٹس کے جم غفیر کے ساتھ کوریڈور میں دوڑ رہی تھیں۔ سارے چہرے حواس باختہ تھے۔

کنیزاں فاطمہ کے چہرے پر ایک حقیقی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی جو بعد میں ایک قہقہے میں ڈھل گئی تھی۔

یہ ہفتے میں چوتھی بار ہو رہا تھا کہ مس ڈیزی کا تجربہ ناکام ہوا تھا اور لیب میں آگ لگ رہی تھی۔

☆☆☆

"کتا انسان کو کاٹے تو یہ خبر نہیں ہے، انسان کتے کو کاٹے تو یہ خبر ہو گی۔"

گوندل صاحب خبر کی تعریف کر رہے تھے اور سامنے بیٹھے اسٹوڈنٹس ہکا بکا کتے اور انسان کا خبر سے تعلق ماپ رہے تھے وہ چاروں بھی اپنے اپنے پوائنٹر منہ میں دبائے حیران تھیں۔

"یہ بھلا کیا تعریف ہوئی خبر کی؟" سیرت کو جانے کیوں اپنے مضمون میں خبر کی یہ تعریف پا کر شرمندگی سی ہو رہی تھی۔

گوندل صاحب نے سب سوالیہ نظروں کو دیکھا تھا اور پھر وائٹ بورڈ پر لکھنا شروع کر دیا تھا۔

"یہ صرف سمجھنے کے لیے ہے کہ خبر کیا ہوتی ہے، کوئی ایسا واقعہ جو ذرا معمول سے ہٹ کر ہو۔۔ مگر ہر واقعہ بھی خبر نہیں ہوتا۔"

ڈیڑھ گھنٹے کی کلاس میں خبر کی تعریف پر بحث ہوتی رہی تھی اور اس عرصے میں فردوس گوہر نے اپنے چہرے پر کسی کی نظریں محسوس کی تھیں۔ آدھا پیریڈ اسے یہی ڈھونڈنے میں لگا تھا کہ ایسا کون ہے جو اسے اپنی نظروں کے حصار سے کھسکنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ چھٹی حس نے الارم دینا شروع کر دیا تھا۔

وہ جب کامن روم سے نکل رہی تھی وہ سامنے آ گیا تھا۔ وہ ڈپارٹمنٹ کا لڑکا تھا جسے وہ کلاس میں کئی بار دیکھ چکی تھی جو ہمیشہ سے ہی لڑکیوں کے جھرمٹ میں ہی نظر آتا تھا

"کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔۔ آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے؟"

"آپ، صرف کام کے حوالے سے بات کرتی ہیں کیا؟ موسیٰ نے اپنی گرم نظروں کو اس کے چہرے پر فوکس کر لیا تھا۔

فردوس نے چاروں طرف نظریں دوڑا کر ان تینوں کی موجودگی کو کھوجا تھا مگر وہ اسے کامن روم میں چھوڑ کر خود کیفے کی طرف بھاگ گئی تھیں۔

"سوری..... راستہ چھوڑیں۔" وہ نرمی سے کہہ کر آگے بڑھنے لگی تھی۔

وہ مقابل تھا جیسے ایک انچ بھی آگے پیچھے ہٹنے

www.zemtime.com

نہیں دے گا۔

حمید نظامی کوریڈور میں کھڑی فردوس کے ہاتھوں میں پسینہ آنے لگا تھا۔

''کیا چاہتے ہیں آپ؟'' اس نے لہجہ سخت رکھنے کی پوری کوشش کی تھی۔

''صرف اور صرف آپ کو۔'' موسیٰ کو وہ آنکھیں اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔

وہ بھنورا تھا جو ڈال ڈال منڈلانے کا عادی تھا۔ ایک بگڑی ہوئی فیملی کا امیر کبیر لڑکا جس کے نزدیک زندگی بس لطف لینے کا نام تھا۔ وہ اپنے سرکل میں فلرٹ مشہور تھا۔ وہ کبھی بھی لڑکیوں کے بغیر اکیلا نظر نہیں آیا تھا مگر یہ اس ہفتے میں پہلی بار تھا کہ وہ اکیلا پھر رہا تھا بہت سوں کو لگا تھا اس کا دماغ چل گیا ہے یا پھر وہ کوئی عشق وشق کا روگ لے بیٹھا ہے، کیوں کہ یہ خاموشی ہمیشہ سے ہی طوفان کا پیش خیمہ رہی تھی۔

''آپ کو دیکھتا ہوں تو شاعری کرنے کو جی چاہتا ہے۔ مجھ پہ مصرعے اترنے لگتے ہیں۔''

فردوس نے اس کا ہاتھ زور سے پرے کیا تھا اور تیز قدموں سے آگے بڑھی تھی۔ دل تھا کہ چال بگاڑ بیٹھا تھا وہ جو سمجھتی تھی کہ آگے سب دریا وہ پار کر لے گی مگر سب وہم اور خام خیالی تھی۔

وہ تینوں فردوس گوہر کے چہرے کو دیکھ کر چونک گئی تھیں۔ کرسی گھسیٹ کر وہ بیٹھ تو گئی تھی مگر بریانی کی پلیٹ میں چمچہ گھماتے ہوئے تینوں نے اس کے ہاتھوں میں لرزش نوٹ کی تھی۔ عدن جبار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟''

فردوس کا دل چاہا عدن کو کہے مجھے ہاتھ مت لگایا کرو مگر وہ بس سر ہی ہلا سکی تھی۔

سیرت کو رہ رہ کر خبر کی تعریف پر اعتراض اٹھ رہے تھے۔

''مجھے تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ اخبار اور ٹی وی کی تعلیم میں بھی ہمیں کتے بلیاں کیوں پڑھائی جا رہی ہیں۔''

''تم بس کانسپٹ سمجھو۔ اب تھیوریز اور تعریف کے لیے مثالیں تو ضروری ہوتی ہی ہیں۔''

''تو کوئی توتا چڑیا پکڑ لیں۔''

تمکین نے کوک کی بوتل کا ٹھنڈا سپ لیا تھا۔

''جب تم لیکچرر لگ جانا تو پرندوں کی مثالیں دیتی رہنا۔''

وہ چاروں اپنی اپنی بریانی کی پلیٹیں ختم کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ آدھی عوام نوٹس کے پرنٹ آؤٹ نکلوا کر انہیں اسٹیپل کرنے میں لگی ہوئی تھی ذرا سی ہوا سے پیپر اڑ کر ادھر ادھر اڑنے لگتے تھے۔

''تم نے ہمیں نتاشا سے ملوانا تھا ناں۔'' ٹشو پیپر سے منہ صاف کرتی فردوس سے عدن نے پوچھا تھا۔

''ہاں ۔۔ میں نے اس سے بات کی تھی۔ اصل میں وہ ذرا مصروف تھی ایک فلم کے شوٹ کے لیے وہ اور اس کی بہن میک اپ آرٹسٹ کے طور پر کام کر رہی تھیں تو اس وجہ سے وہ کچھ مصروف تھی۔''

''چلو، جب وہ آجائے تو لازمی ملوانا۔''

وہ چاروں اپنے اپنے بیگ اٹھا کر آغا شورش ہال آگئی تھیں جہاں میم فرحت کی اردو جرنلزم کی کلاس تھی ۔۔ آغا شورش ہال لکڑی سے بنا ہوا خوب صورت سا ہال تھا جہاں آواز بازگشت کی طرح گونجتی تھی۔

وہ جب ہال میں داخل ہوئی تھیں تو سامنے ہی روسٹرم پر موسیٰ کھڑا تھا جس نے فردوس کے اندر داخل ہونے پر اسے پھر سے اپنی نظروں کا محور بنا لیا تھا۔ عدن اپنا موبائل کھولے کوئی ٹیکسٹ ٹائپ کر رہی تھی۔ سیرت جنگ کا اداریہ کھول کر بیٹھ گئی تھی جبکہ تمکین نے فراغت سے فی الحال فائدہ اٹھا کر کینڈی کرش کا اگلا لیول کھیلنا شروع کر دیا تھا۔

زندگی اتنی سیدھی اور آسان کیوں نہیں ہوتی کہ ایک بار سارے مسئلے حل کر کے انسان ستا لے۔ وہ اپنے ہاتھوں کی لکیروں پر نظریں گاڑ کر بیٹھ گئی تھی مگر وہ نظریں اسے ابھی بھی محسوس ہو رہی تھیں۔

www.zemtime.com

موسیٰ کے دل میں عجیب بے چینی کی لہر اٹھی تھی ۔فردوس گوہر کی نظر اندازی نے اس کے اندر بھانبھڑ جلائے تھے۔ وہ جتنا بچتا تھا اتنا ہی دھواں اٹھ رہا تھا ۔وہ آنکھیں اور تراشا ہوا وجود اس کے اعصاب پر سوار ہو گیا تھا۔

زندگی میں فردوس گوہر نے کبھی کسی سے نفرت نہیں کی تھی کبھی کسی کے لیے دل میں میل نہیں رکھا تھا مگر اسے نہیں معلوم تھا باقی ساری زندگی موسیٰ سے وہ نفرت ہی کرنے والی تھی۔

☆☆☆

وہ شام شہر لاہور میں عجیب رنگ لے کر اتری تھی۔اداسی اور یاسیت کا رنگ اتنا گہرا اور کامل تھا کہ اس کے پیچھے سب کچھ چھپنے لگا تھا۔

نتاشا ابراہیم پچھلے ایک گھنٹے سے گھر کی چھت پر آسمانوں میں کچھ کھوج رہی تھی ۔۔جیسے کسی کا پتا ڈھونڈ رہی ہو۔۔جیسے صدیوں سے کوئی گمشدہ ہو۔ آسمان پر بادل کب کے چھٹ چکے تھے اور اب دور تک نیلا آسمان صاف صاف نظر آ رہا تھا۔نیلے آسمان کے سینے پر کچھ کبوتروں کی جوڑیاں غٹرغوں کرتی ہوئی سفر میں تھیں۔

ابھی وہ اپنی انہی سوچوں میں غرق تھی کہ اس کا فون بجنے لگا تھا۔

اس نے اسکرین پر نظر دوڑائی تھی تو فردوس گوہر کا نام بلنک کر رہا تھا۔اپنے آپ کو بمشکل کمپوز کرتے ہوئے کال اٹھالی تھی۔

"گوہر! کیسی ہیں آپ؟"

نتاشا نے پوری کوشش کی تھی کہ اس کی آواز سے ذرا سی بھی لرزش ظاہر نہ ہو مگر ایک ایسا آنسوؤں کا سمندر تھا جو اسے لے ڈوبنے کو تیار تھا مگر وہ اپنے حوصلوں سمیت جمع ہوئی کھڑی تھی۔

فردوس گوہر نے اس کی آواز میں لرزش محسوس کر ہی لی تھی۔آخر وہ نتاشا ابراہیم کو یونہی تو جاننے کا دعوا نہیں کرتی تھی۔

"نتاشا! تم ٹھیک ہوں ناں؟ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ پچھلے ایک ہفتے سے تم غائب ہو اور مجھے لگتا ہے تم نے مجھے لارا ہی لگایا ہوا ہے اگر کوئی پریشان ہے؟ کسی چیز کی ضرورت ہے تو مجھے بتاؤ۔"

وہ ایک ہی بار میں اتنا کچھ بول گئی تھی۔نتاشا کہ لہجے نے اسے چونکا دیا تھا گود میں رکھا ڈرائی فروٹس والا باؤل وہ کنارے پر کر چکی تھی۔

نتاشا ابراہیم نے پہلی بار اپنے دل پر جیسے نرم بارش کی پھوار پڑتی ہوئی محسوس کی تھی۔جیسے کوئی تھا جو اس کی فکر میں حصہ دار تھا۔جس سے اس کا خون کا رشتہ بھی نہیں تھا کہ غرض کا تعلق ہو کہ غرض کے تعلق بوجھ ہوتے ہیں ۔۔تھکانے والے ۔۔اکتانے والے۔۔اور کچھ تعلق جیسے جنگلوں میں پھر رہے ہیں اور آپ کو کوئی روشنی نظر آ جائے۔فردوس گوہر ایک ایسی ہی روشنی تھی جو اس کے تمام دکھ درد کو سمیٹ لینا چاہتی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں گا اور آپ فکر مت کریں بس کچھ مسئلوں میں الجھی ہوئی ہوں۔"

"کون سے مسئلے؟" مجھے بھی بتاؤ.....مجھ سے تم یہ سب کیوں چھپا رہی ہو۔

"میں آپ کو ویسے ہی پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

نتاشا نے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی تھی مگر جب وہ کسی ایک بات کو پکڑ لیتی تھی تو اس بات کو کبھی بھی ادھورا نہیں چھوڑا کرتی تھی۔

"میری پریشانی کو چھوڑو، مگر مجھے تم یہ بتاؤ کیوں پریشان ہو؟ کیا وجہ ہے میں کب سے نوٹ کر رہی ہوں جیسے تم مجھے اگنور کر رہی ہو۔کوئی بھی بات ہے تو مجھے بتاؤ ورنہ میں وہیں اندرون لاہور آ جاؤں گی۔"

اسے پتا تھا کہ اگر وہ یہ بات کہہ رہی ہے تو اگلے ہی پل وہ اندرون لاہور پہنچ بھی سکتی ہے۔اس نے اسے اس مشقت سے بچانے کے لیے گہرا سانس لے کر اسے سب کچھ بتانے کی ٹھان لی تھی۔

نتاشا کی آواز میں جیسے کوئی سوگ آن موجود

www.zemtime.com

ہوا تھا۔ نیلا آسمان، کبوتروں کی اڑان، خوانچہ فروشوں کی آوازیں سب کچھ جیسے کہیں پیچھے چلا گیا تھا ..... سبھی کچھ.....!

''ہوتا ہے نہ گوہر، کہ کبھی کبھی ہم اتنے صدیوں سالوں کے ساتھ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہتے ہوئے آرہے ہوتے ہیں شاید آپ کو یہ تجربہ نہ ہو کیونکہ آپ اکیلی ہیں۔ مگر میں آپ کو بتاؤں کہ سالوں سے میں، ماہی باجی اور نیلم ساتھ رہتے ہوئے آرہے ہیں، اتنی مدت ہوگئی ہے کوئی پچیس تیس سال لیکن پھر بھی ہم ایک دوسرے کو پوری طرح جان نہیں پائے۔ چاہے آپ کو اور کچھ آنا چاہیے یا نہیں مگر آپ کو اپنے رشتوں کے بارے میں اچھی جانچ پڑتال ضرور آنی چاہیے ورنہ یہ آپ کو ایک ایسے خسارے میں ڈال دیتے ہیں جس کی بھرپائی کبھی بھی ممکن نہیں ہو پاتی۔ یہی حال ہمارے ساتھ ہوا۔ مجھے لگتا تھا میں ماہی کو جانتی ہوں۔ ماہی باجی کو لگتا تھا وہ نیلم کو جانتی ہیں اور نیلم کو لگتا تھا وہ نتاشا ابراہیم کو جانتی ہے۔ ہم تینوں ایک دوسرے کے بارے میں اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ شاید ہم تینوں ایک دوسرے کو اچھے سے جانتی ہیں، اور کبھی بھی اگر ہم تینوں میں سے کسی کے دل میں چور آیا تو دوسری یا تیسرے بندی اسے بوجھ لے گی، پکڑ لے گی۔۔ ہم غلط فہمی کا شکار رہیں کہ شاید ہمیں پتا چل ہی نہیں سکا کہ میں اور ماہی باجی تو کسی کو جاننے کے علم میں بالکل کوری تھیں۔ ہمیں پتا ہی نہیں چلا کہ نیلم کے دل میں کب کوئی چور آیا اور اس چور نے ہمارے گھر کی ساری عزت چرالی ہمیں لوٹ لیا گیا۔ اب زندگی بہت عجیب سی ہوگئی ہے۔ ہمیں پہلے ہی شک پڑا تھا کہ شاید نیلم نے اب الجھا الجھا نظر آنا شروع کردیا ہے۔ وہ ہم سے کترانے لگی ہے۔ پہلے گھر میں نیلم قہقہے گونجتے تھے تو ہم اسے بات بات پر ہنسنے سے منع کرتی تھیں کہ کنواری لڑکیوں کے قہقہے انہیں بہت بیگانہ کردیتے ہیں۔ مگر اماں بھی نیلم کو سمجھا بجھا کر پھر خاموش ہوگئی تھیں اور اماں کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی نیلم کے قہقہوں کی عادت ہوگئی تھی۔ ہم نے گزرتے ہوئے دنوں کے معمولات میں، رش بھری زندگی میں کبھی غور ہی نہیں کیا کہ نیلم نے ہنسنا چھوڑ دیا ہے وہ ہماری ساری زندگی کا ڈپریشن اکیلا اپنے سر لے رہی تھی۔ جانے اس نے اپنی زندگی کی کون سی کھڑکی باہر کی طرف کھول لی تھی جس کا ہمیں پتا ہی نہیں چلا۔ اس نے ایک نئی دوست بنالی تھی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کون سی دوست ہے، کیا کرتی ہے، لیکن یہ تھا کہ اس کی نئی دوست بہت امیر کبیر گھرانے سے تھی اور نیلم اکثر اس کے ساتھ گاڑی پر آیا جایا کرتی تھی مگر ہم نے اس کو معمولی سمجھ کر سائیڈ پہ کردیا۔ مگر زندگی میں ہر چیز آپ کنارے پر نہیں کرسکتے۔ یہی ہماری سب سے بڑی غلطی تھی۔ بعد میں اب جا کے ہمیں معلوم ہوا کہ نیلم اسی دوست کے ساتھ افیئر میں تھی۔ وہ کوئی امیر گھر کا لڑکا تھا۔۔''

نتاشا کی سسکیاں بلند ہو رہی تھیں۔

''فردوس گوہر سناٹے میں آگئی تھی۔۔!

''نیلم بہت آگے چلی گئی گوہر۔۔ بہت آگے کہ سب ختم ہوگیا۔''

اندرون لاہور کے لوگوں نے لپلپاتی ہوئی زبانیں نکال لی تھیں۔

''ابراہیم کی بیٹی بھاگ گئی۔''

اماں اور وہ دونوں چھپنے لگی تھیں۔۔ ابا چارپائی سے لگ گئے تھے۔ وہ گھر کی تین کھڑکیاں بھی بند ہوگئی تھیں۔

حبس بھری شام تھی جب ہر کوئی دیوار سے لگا ہوا اپنی زہریلی سوچوں کے سیپ کاڑھ رہا تھا تو گھر کے پھاٹک پر شور ہوا تھا۔ وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگی تھیں خوف سے۔۔۔ دھڑکے سے۔۔!

☆☆☆

ہاسٹل میں شام کی روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد کچھ لڑکیاں لان میں ٹہلتے ہوئے اپنے اپنے وظیفے پڑھ رہی تھیں لڑکیوں میں یہ سب سے زیادہ تھا کہ وہ اپنی حاجات کے لیے نوافل اور وظیفے ادا کیا کرتی تھیں۔

www.zemtime.com

کچھ لڑکیاں جن کو یہی وقت میسر ہوتا تھا پورے دن کی تھکان کے بعد کہ وہ اپنے گھر والوں سے باتوں میں مصروف تھیں۔

کنیزاں فاطمہ ہاسٹل کی چھت پر کھڑی اپنے موبائل پر آنے والی ایس فون کال کو دیکھ رہی تھی جو کہ ویڈیو واٹس ایپ کال تھی جو سکندر کے نمبر سے آرہی تھی۔

اسے جانے سوچنے میں کیوں اتنا ٹائم لگ رہا تھا کہ وہ کال ریسیو کرے یا نہ کرے۔ وہ شخص اس کے نام کے ساتھ ایسا نتھی ہوا تھا کہ وہ چاہ کر بھی اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی تھی۔

کئی بار اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس کے منہ پہ کہہ دے کہ وہ کنیز فاطمہ کو ڈیز رو نہیں کرتا لیکن بعد میں اسے خیال آتا تھا کہ وہ شاید اتنا حوصلہ خود میں جمع نہیں کر پاتی تھی کہ کسی دوسرے انسان کو اس طرح ریجیکٹ کرے۔ اور وہ بھی سکندر کو کہ جس کے ہاتھوں میں اونٹوں کے ساتھ ساتھ اس کی مہاریں بھی تھمادی گئی تھیں۔

بالآخر اس نے سارے حوصلے جمع کر کے وہ فون کال ریسیو کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ کیونکہ اکثر اوقات یہ ہوتا تھا کہ وہ شام کے وقت سکندر اماں ابا کے پاس چلا جاتا تھا اور ویڈیو کال کے ذریعے ان کی اس سے بات کروادیا کرتا تھا۔ جیسے ہی اس نے کال ریسیو کی تھی سامنے ہی فون کی اسکرین پر غروب ہوتا ہوا سورج نظر آیا تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی بختاور کے ساتھ مل کر ٹیلے پر کھڑے ہو کر غروب ہوتا ہوا سورج دیکھا کرتی تھی اور آج وہی سورج فون کال کی اسکرین پر ویڈیو کال میں اس کے سامنے تھا۔

کنیزاں کو لگا تھا کہ ہاسٹل کی عمارت، بلیوں کی آوازیں سب کچھ پس منظر میں چلا گیا ہے اور سامنے پیش منظر وہی ہے، دور تک میدان، چنے کے کھیت اور وہ وہیں ٹیلے پہ کھڑی مسحور ہو کر غروب ہوتا ہوا نارنجی سورج دیکھ رہی ہے۔

وہاں کے اور یہاں کے وقت میں بہت فرق تھا یہی وجہ تھی کہ یہاں پہ مغرب ہو چکی تھی اور ادھر ابھی بھی تھل واسیوں کی طرف سورج غروب ہونے کا منظر تکمیل کو پہنچ رہا تھا۔

تبھی کچھ ثانیے کے بعد اسکرین پر سکندر کی صورت نظر آئی تھی۔

ایک پل کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ اپنی طرف کا کیمرا آف کر دے مگر جانے کیا سوچ کر وہ رک گئی تھی۔

وہ اب بھی ہنستا مسکراتا ہوا کشادہ پیشانی کے ساتھ اور آنکھوں میں ڈھیر ساری شرارت لیے اسے نظر آرہا تھا۔

"کیسی ہو تم تو لگتا ہے بھول ہی گئی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں اور بھولنے کی کیا بات ہے مجھے کیا ضرورت ہے تمہیں بھولنے کی۔"

دوسری طرف سے وہ اس بات پہ ہنسا تھا۔

"ہاں مجھے پتا تھا تم یہی کہو گی ورنہ تم نے کہاں مجھے یاد رکھا ہوا ہے۔" کنیزاں فاطمہ نے غور سے اسکرین پر اس کے چہرے کے نقوش کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں تو مجھے ضرورت ہی کیا ہے تمہیں یاد رکھنے کی، آخر تم میرے لگتے ہی کیا ہو۔"

کتنا آسان تھا اس کے لیے کہ وہ ایک لمحے میں اسے پرایا کر دیا کرتی تھی۔ شاید سکندر کو یہی اس کی بات بہت پسند تھی۔ اور آج تک وہ اس کی نظر اندازی اور بیگانگی کی ادا کے سحر سے باہر نکل نہیں پایا تھا۔ اب بھی جیسے وہ اس کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تم تھل میں تھیں تب بھی مرچیں چبائے رکھتی تھیں اب تم لاہور میں ہو تو اب بھی وہی حال ہے، لگتا ہے لاہور شہر نے تم پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈالا۔ لگتا ہے وہاں بھی اب مرچیں گھول کر پیتی رہتی ہو۔"

"تمہیں کیا پروا، میں مرچیں گھول کر پیوں یا زہر کھاؤں۔"

www.zemtime.com

"مجھے نہیں ہوگی پروا تو کیا دنیا کو ہوگی کنیزاں!"

وہ لہجہ وہ انداز کنیز فاطمہ کو ایک بار پھر سے زمین پہ لگنے پہ مجبور کر گیا تھا۔ جب بھی وہ آسمان کی طرف اپنی سیڑھی کھڑی کرتی تھی اسے زمین کی طرف کھینچ لیتا تھا۔

"تو میں تمہاری شکل مزید نہیں دیکھنا چاہتی اور نہ ہی تمہاری باتیں سننا چاہتی ہوں۔ میری بختاور سے بات کراؤ۔" وہ جھنجلا کر بولی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بختاور کا چہرہ اسکرین پر ابھرا تھا۔

"ہائے تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کنیزاں تم تو اتنی کمزور لگ رہی ہو۔" اسکرین پر جیسے اس کا چہرہ دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا تھا۔

"مجھے لگا تھا یہ سوال اماں کی طرف سے آئے گا مگر تم نے یہ سوال کر کے مجھے حیران ہی کر دیا۔ اب اتنے چھوٹے سے موبائل میں اتنی چھوٹی سی اسکرین پہ میں تمہیں اتنی ہی نظر آؤں گی۔ اسکرین میں تو بندہ ایسا ہی نظر آتا۔" وہ جیسے برا مان گئی تھی ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے اور سب اسے کمزور سمجھنے لگے تھے۔ ابھی تو اتنا وقت باقی تھا۔

"نہیں نہیں۔ پھر بھی دیکھو تو آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں، تم ایسی تو نہیں تھیں!"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔ بالکل ٹھیک ہوں بس تمہیں ایسے ہی محسوس ہو رہا ہے باقی تم سناؤ کیسی ہو؟ گھر میں سب کیسے ہیں؟" وہ جلدی جلدی بختاور کا دھیان اس موضوع سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

"گھر میں سب ٹھیک ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ آج شانو کی مہندی ہے رات کو وہاں جاؤں گی۔ دیکھو میں نے مہندی لگائی ہوئی ہے۔" بختاور اسے اپنے مہندی والے ہاتھ دکھانے لگ گئی تھی۔

لاہور کی اس مصروف بھاگتی زندگی میں بھی کنیزاں کو بری طرح سے گھل واسیوں کے وہ مہندی کے فنکشن یاد آئے تھے جہاں وہ ٹپے ماہیے گاتی تھیں۔

"یہ مہندی کسی نے لگائی ہے؟"

"میں نے خود لگائی ہے۔" بختاور نے فخر سے بتایا تھا۔

"تم کب سے مہندی لگانا سیکھ گئی ہو؟"

بس وہی رسالوں سے دیکھ دیکھ کر اتنا تو مجھے اب آ ہی گیا ہے۔"

"چلو اچھا ہے۔ میں آؤں گی تو تمہاری خدمات حاصل کروں گی۔ اماں ابا کیا کر رہے ہیں؟"

"ابا جانوروں کا دودھ نکال رہے ہیں اور اماں نماز پڑھنے کی تیاریوں میں ہیں، وضو کر رہی ہیں۔"

"چلو، میری اماں سے بات کروا دو جلدی سے۔"

بختاور اماں کی طرف فون لے کر گئی تھی جو نلکے سے وضو کر کے اب دوپٹے سے چہرہ تھپتھپا رہی تھیں۔

اماں نے موبائل سامنے رکھا تھا اور اپنے سامنے کنیزاں فاطمہ کو دیکھ کر اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پا سکی تھیں۔ انہوں نے موبائل اسکرین کو چوم لیا تھا۔

بختاور اور سکندر ان کی یہ حالت دیکھ کر دھیرے سے مسکرائے تھے۔

"ہائے میں صدقے۔ ماں واری۔ میری دھی کتنی کمزور ہوگئی ہے۔"

کنیزاں فاطمہ کو سچ میں اپنے کمزور ہونے کا یقین آنے لگا تھا۔

"ہر ایک ماں ویسے ہی پریشان ہوتی رہتی ہے۔ دیکھیں تو سہی میں بھلی چنگی ہوں اور میری دوست تو یہی کہتی ہیں کہ میں دن بدن موٹی ہوتی جا رہی ہوں۔"

"اے چل۔ جھلی نہ ہو تو۔ ماں کے دل کو تو کیسے سمجھے گی؟"

www.zemtime.com

"بس ماں فکر نہ کیا کریں، میں بالکل ٹھیک ہوں اور یہاں کھانا پینا بھی اچھا ہے۔" وہ انہیں مطمئن کرنے میں لگی ہوئی تھی

"تیری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟" اماں پوچھ رہی تھیں۔

"میری پڑھائی بالکل ٹھیک جا رہی ہے۔"

"بس پتر! اپنا خیال رکھا کر۔ ہر وقت تیرا چنتا اور فکر لگی رہتی ہے اور دل کو خیال ستائے رہتے ہیں۔"

اماں کے اپنے فلسفے تھے۔ شاید ماؤں کے دلوں کو کبھی بھی چین نہیں پڑتا اور ویسے بھی وہ اتنے میلوں دور تھی تو ان کی فکر بنتی بھی تھی۔

وہ اماں سے محلے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

"تمہارے ابا جانوروں کا دودھ نکال رہے ہیں وہ تھوڑے مصروف ہیں وہ بعد میں تم سے بات کریں گے۔"

کچھ ہی دیر بعد وہ بختاور اور اماں سے باری باری شانو کی شادی سے لے کر محلے کے ایک ایک گھر پہ احوال لے رہی تھی۔

☆☆☆

"کیسی ہو بیٹا، تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

قطر کے ملک سے ہوا کے دوش پر تیرتا ہوا وہ جملہ سیرت امتیاز کو عجیب رنگ میں رونے پر مجبور کر گیا تھا لیکن وہ رونا کچھ اور ہی تھا۔ ایک ایسا رونا جو آپ کی صدیوں کی ریاضت کے بعد، تپسیا کے بعد آپ کے حصے میں آتا ہو۔

وہ جو لڑکپن سے لے کر جوانی تک ایک کونین کی طرح کے زہر سے بھری ہوئی تھی، وہ زہر آہستہ آہستہ کسی شہد کی شکل میں ڈھل گیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی ان کی کال کاٹ نہیں سکی تھی۔ اس نے کوشش کی تھی کہ وہ ان سے بات نہیں کرے گی، ان سے لڑائی کرے گی، وہ ان کی کچھ نہیں لگتی۔ شاید لڑکپن سے لے کر اب تک وہ اگر کسی چیز کی طلب گار رہی ہے تو وہ صرف اور صرف وہی کال تھی، وہی لہجہ جو اس سے اس کا دکھ سکھ بانٹ لے۔ بے شک پوپلی بوا جو اس کے لیے ہر ممکن مدد کو تیار رہتی تھیں، سب کچھ کرتی تھیں مگر جو خون کا تعلق تھا..... انسان ہمیشہ خون کے تعلق کی طرف کھنچتا ہے۔۔ بھاگتا ہے۔۔ وہ خون کے تعلق کی ڈور سے ہی بندھا ہوتا ہے۔۔ اور سیرت امتیاز نے ان گزرے سالوں میں صرف اسی تعلق کا انتظار کیا تھا اور جب آج تعلق اسے میسر آ رہا تھا تو وہ عجیب طرح کے محسوسات کا شکار ہوئی تھی۔

وہ جیسے ہنستے ہنستے رونے لگی تھی، روتے روتے ہنسنے لگی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی آواز پر قابو پایا تھا

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"

امتیاز صاحب کو یوں لگا تھا جیسے قطر کی فضاؤں میں کسی نے شیرینی گھول دی ہو۔ وہ جو ہمیشہ تھکے تھکے سے رہتے تھے ان کو لگا تھا ان کی تھکن ایک پل میں گزر گئی ہو، اتر گئی ہو۔ وہ عجیب طرح سے انہیں مندمل کر رہی تھی۔ وہ نپا تلا لہجہ۔۔ سنجیدہ انداز۔۔ وہ ان کا خون تھی۔ وہ آیت اور پوپلی بوا سے اس کی خیر خیریت دریافت کرتے رہتے تھے لیکن اب وہ دور ایک ایسے شہر میں بیٹھی تھی تو انہیں اندازہ ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک ہی دوری پہ تھے۔ وہ اپنے گھر سے۔۔ یہ بھی اپنے گھر سے دور تو انہیں پوپلی بوا کی نصیحتیں یاد آئی تھیں۔

کہ وہ اب جوان ہو چکی ہے اور انہیں اپنے باپ کا فرض ادا کرنے کے ناطے اس کی خیر خیریت خود سے دریافت کرنی چاہیے تو یہی وجہ تھی آج وہ اسے کال کرنے پر مجبور ہو ہی گئے تھے۔

ورنہ جب بھی وہ گھر آیت سے سیرت سے بات کروانے کو کہتے تھے تو وہ کبھی بھی میسر نہیں ہوتی تھی۔

تو ہمیشہ انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا تھا کہ وہ میسر نہیں۔ کبھی وہ گھر پر موجود نہیں ہوتی تھی یا کبھی وہ

www.zemtime.com

ٹیوشن سنٹر ہوتی تھی۔ اور زندگی میں اس کے پاس کھیلنے کودنے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔

مگر آج انہیں احساس ہوا تھا کہ ان دونوں باپ بیٹی کے درمیان کمیونیکیشن گیپ آیا تھا، وہ ہر چیز پر بھاری تھا۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' انہوں نے جانے کس مشکل سے یہ سوال کیا تھا۔

سیرت نے اپنے آپ کو بمشکل قابو کیا تھا۔ وہ ٹشو باکس سے ٹشو کھینچ کر آنکھیں صاف کر رہی تھی۔ وہ کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی اور دیوار سے لگی ہوئی تھی۔

کنیزاں اور تمکین نیچے میس ہال میں آج کے مینیو کے بارے خبر لینے گئی ہوئی تھیں۔ جب تک وہ آتیں تو تب تک اس نے آرام سے کمرے میں ہی بیٹھے رہنا تھا۔

''نہیں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔''

امتیاز صاحب کو لگا تھا جیسے انہوں نے غلط سنا ہو جب بھی ان کی آیت سے بات ہوتی تھی تو آیت نے انہیں ہمیشہ یہی کہا تھا کہ سیرت کو ہر چیز کی ضرورت رہتی تھی۔ کپڑے، جوتے، لتے، جیولری ہر ہر چیز کی۔ اور ہمیشہ وہ ان کی چیزوں کا بھی حق مار لیا کرتی تھی۔ مگر آج وہ کہہ رہی تھی کہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

''کیوں تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مجھے پہلے بھی کبھی ضرورت نہیں پڑی اور آئندہ بھی نہیں پڑے گی۔'' اب جیسے وہ پہلے والی کیفیت سے واپس آ چکی تھی اس بار لہجہ بالکل نارمل تھا۔

''پھر بھی اپنا اکاؤنٹ نمبر اور ڈیٹیل سینڈ کر دو میں تمہیں کچھ پیسے بھیج دوں گا۔ مجھے معلوم ہے لاہور بڑا شہر ہے اور تم اب ایک یونیورسٹی اسٹوڈنٹ ہو تو تمہیں ضرورت پڑے گی۔''

وہ چپ کر کے ان سے باتیں سنتی رہی تھی۔

سیرت امتیاز کے لیے وہ شام بہت یادگار ہو گئی تھی۔ تین منٹ اور سینتیس سیکنڈ کی وہ فون کال، وہ آواز..... جیسے اسے دوبارہ زندہ رہنے پر مجبور کر گئی تھی۔ اس شام اس نے اپنی زندگی کے سب سے زیادہ قہقہے لگائے تھے اور اس کی سارے وجود سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس کی اس کیفیت کو تمکین اور کنیزاں دونوں نے نوٹ کیا تھا۔

☆☆☆

پچھلے ایک ہفتے سے ابا اسے مسلسل کہہ رہے تھے کہ وہ پھوپھو سے بات کر لے کیونکہ پھپھو نے اس سے کوئی ضروری بات کرنا تھی۔ ہمیشہ اسائنمنٹ اور کلاس ورک کے چکر میں وہ ان کی اس بات کو بھول جایا کرتی تھی کہ جانے پھوپھو نے اس سے ایسی کیا اہم بات کرنا تھی۔ آج جب اسے کچھ فراغت میسر آئی تھی تو اس نے پھوپھو سے کال پہ بات کی تھی اور دوسری طرف سے پھوپھو کی آواز نے اسے کسی پتھر میں ڈھال دیا تھا۔

''ارے میں نے تو جمال سے کہا ہے کہ اب تمکین پڑھ رہی ہے، یونیورسٹی والی ہو گئی ہے، خیر سے دو تین سال تک اپنی پڑھائی مکمل کر لے گی تو اس کے لیے اس سے اچھا ہے پہلے رشتہ ڈھونڈ کے رکھو۔ لڑکیوں کا کیا بھروسا بالنس کے موافق تو بڑی ہوتی ہیں۔ کل کو تم اتنی سی تھیں جب تمہیں پالتا پوستا رہا اس نے اتنا بڑا کیا اور اب دیکھو وہ تمہاری شادی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ میں نے تو بھائی سے کہا کہ سیدھا سیدھا وہ خود تم سے رشتے کے بارے میں بات کرے۔ یہ ہے کہ باپ ہے وہ تم سے رشتے کے بارے میں کیسے بات کرے۔؟ اصل میں بات یہ ہے کہ تمہارے بہت سارے رشتے آ رہے ہیں اور خیر سے جب سے تم یہ یونیورسٹی پڑھنے گئی ہو تو لوگوں کو جمال کی تربیت پہ ذرہ برابر بھی شک نہیں رہا۔ اور تمہیں پتا ہے آج کل زمانہ بدل گیا ہے پڑھی لکھی لڑکیوں کے رشتے آسانی سے ہو جاتے ہیں، تو اب کئی لوگ باتوں باتوں میں جمال کو بھی کہہ رہے ہیں اور میرے بھی جاننے والے کہہ رہے ہیں۔ رشتے کی بابت پوچھ رہے ہیں تو جمال کہہ رہا تھا جیسے ہی اس

www.zemtime.com

بار تم چھٹیوں پہ آؤ گی تو ایک دو لوگوں کو بلا کر رشتے کی بات کر لیں گے۔ تاکہ بعد میں جب تم لاہور جاؤ تو رشتہ پکا ہوا ہو۔ اور اسے بھی اپنے فرض کی ادائی کے بارے میں آسرا رہے۔ بعد میں شادی کے سو مسئلے مسائل ہوتے ہیں اور تیاریاں ہوتی ہیں۔ تم میری بات سن رہی ہو ناں؟"

پھوپھو کو دوسری طرف سے یوں لگا تھا جیسے وہ خود ہی بولے جا رہی ہیں اور تمکین ان کی کوئی بات نہیں سن رہی تھی۔ مگر نیٹ ورک سب کچھ ٹھیک تھا وہ پھوپھو کی آواز صاف صاف سن سکتی تھی مگر اس کے اندر کچھ پگھلنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کی ساری زندگی اس نے خواب دیکھے تھے جیسے وہ کسی جنگل میں چلتی جا رہی ہے اور سامنے کوئی شہزادہ گھوڑے کی باگیں تھامے اس کی طرف آ رہا ہے۔ اس نے زندگی اپنے باپ کے سہارے گزاری تھی اور اس کے علاوہ اس نے اپنی زندگی کے کئی سال کہانیاں، قصے پڑھنے میں گزار دیے تھے۔

تمکین جمال کی اپنی ایک تخیلاتی دنیا تھی جہاں اس کا اپنا ایک محل تھا اور اس محل میں ہی اس کا شہزادہ اور محل کے پھاٹک پر بگھیاں ان کی منتظر ہوتی تھیں کہ وہ شاہ بلوط کے جنگلوں کی سیر کو جائیں گے۔ وہی جنگل جہاں کچھ چرواہے اپنی بھیڑوں کے ریوڑ کو بھول کر بانسریاں بجانے چٹانوں بیٹھ جایا کرتے تھے۔

آج لگا تھا کہ اس کا وہ خواب چھناکے سے ٹوٹ گیا ہے کہ وہ اسی دنیا کی باسی ہے۔ وہ کوئی شہزادی نہیں اور نہ ہی اس کے لیے کوئی شہزادہ آئے گا۔

ہاسٹل کے میس کے باورچی خانے سے جیسے زعفران، جائفل اور جاوتری کی خوشبو پھر سے تمکین جمال کے لیے موت ہو گئی تھی۔

☆☆☆

ان میں یہ طے پایا تھا کہ جب بھی فارغ وقت میں ویک اینڈ کے موقع پر وہ لاہور کی سیر کو نکلیں گی تو انہوں نے کب کہاں اور کس طرح جانا ہے یہ ساری پلاننگ کنیزاں فاطمہ کرے گی۔ بقول ان کے وہ اس چیز میں بڑی ماہر تھی اور وہ اس کھوج میں رہتی تھی کہ لاہور میں کون کون سی تاریخی عمارتیں ہیں، کون کون سے شاپنگ سنٹرز ہیں اور کون کون سی ایسی جگہیں ہیں جن کو دیکھا جانا ضروری ہے تاکہ وہ خود کو زندہ سمجھیں کہ انہوں نے لاہور دیکھ لیا ہے۔

کنیزاں نے اپنی ڈائری میں ساری چیزیں نوٹ کی ہوئی تھیں۔ تو پھر ایک طویل کانفرنس کے بعد یہ طے پایا کہ لاہور کی ان کی کلاس فیلوز عدن اور گوہر سے بھی کنیزاں کو متعارف کروایا جائے اور ایمپوریم مال کا ہی وزٹ کیا جائے۔ کنیزاں نے بھی اس فیصلے پر مہر ثبت کی تھی اور اگر اس لمحے کی گھات کا اسے ذرہ برابر بھی اندازہ ہوتا تو وہ کبھی بھی ایمپوریم کا رخ نہیں کرتی مگر یہ اس کی تقدیر میں تھا۔

عدم اور فردوس اپنی اپنی گاڑیوں پہ مال پہنچ گئی تھیں اور یہ یہ تینوں بھی یونیورسٹی ہاسٹل کے باہر سے رکشا لے کر جوہر ٹاؤن ایمپوریم مال پہنچ گئی تھیں۔

اونچے لمبے قد کی عمارت نے کنیزاں کو ہانٹ کیا تھا۔ مسمرائز کر کے رکھ دیا تھا اس نے سر اٹھا کر اس عمارت کو دیکھا تھا اور اس عمارت میں آتے جاتے ہوئے لوگوں کو دیکھا تھا۔ جو برانڈڈ بیگ ملبوسات میں ملبوس اسے بہت عجیب طرح سے متاثر کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان کی حسین ترین شکلیں جن سے وہ اپنی نظریں ہٹا نہیں پا رہی تھی۔ کوئی قلق سا تھا جو اس کے دل میں بیٹھنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ ہمیشہ موازنے کی کیفیت میں رہتی تھی، اب بھی سب کچھ تلنے لگا تھا۔۔ وہ سب تولنے کو تیار تھی ۔۔خود کو۔۔ تھل کو۔۔ کھگل کو۔۔ تھل واسیوں کو ۔۔یہاں تک کہ نارنجی سورج کو بھی۔۔۔!

سامنے وہ شیشوں سے سجی لمبی عمارت آ گئی جس کے سامنے دنیا کی ہر عمارت ہیچ لگنے لگی تھی۔ لوگوں کو گاڑیوں سے اترتے ہوئے دیکھ رہی تھی جو برانڈڈ ملبوسات پہنے ہوئے، مہنگی ترین خوشبوؤں میں بسے ہوئے اور ہنستے مسکراتے نزاکت سے فاسٹ فوڈ بائٹس لیتے ہوئے جیسے اس دنیا کے باسی نہیں لگ رہے تھے۔

وہ بار بار اپنے کپڑوں کی شکنیں درست کرتی تھی کہ وہ اپنا اب تک کا بہترین سوٹ پہن کر آئی تھی

www.zemtime.com

۔مگر دل کے اندر جیسے اب بھی کسی احساس کمتری نے سر اٹھایا تھا کہ جیسے وہ ان سب سے کم تر ہے۔ وہ جو لوگ جو اپنی زبان میں اردو اور انگریزی کو مکس کر کے بولتے ہیں جن کے وجود سے اٹھنے والی بھینی بھینی خوشبو بے ساختہ مڑ کر انہیں دیکھنے پر مجبور کرتی ہے ۔اور ان کی امپوریم مال کی پارکنگ میں کھڑی ہوئی مہنگی ترین گاڑیوں سے اٹھتا ہوا لاؤڈ میوزک انہیں جیسے کسی اور ہی دنیا کا باسی بنا رہا تھا۔

وہ گم صم ان چاروں کے ساتھ پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

فردوس گوہر کئی بار شاپنگ مالز کا وزٹ کر چکی تھی تو ان کے لیے یہ نئی چیز نہیں تھی مگر تمکین جمال سیرت امتیاز اور کنیزاں فاطمہ کے لیے وہ واقعی میں نئی جگہ تھی جو انہوں نے ٹی وی ڈراموں میں ہی دیکھی تھی مگر ٹی وی ڈرامے بھی ایک مصنوعی چیز تھے۔ اسکرین پر چیزیں اور نظر آتی ہیں اور اصل میں اب وہ دیکھ رہی تھیں تو اپنے آپ کو تعریف کرنے پر مجبور پا رہی تھیں۔

وہ لوگ، وہ لائف اسٹائل، وہ سب کچھ کتنا مختلف تھا۔ یہ مسکراتے گنگناتے ہوئے چہرے جن کی زندگی جیسے بہت پرسکون تھی کسی جھیل کی مانند کہ اس میں ابھی تک کوئی کنکر نہیں گر سکا تھا۔ لوگوں کے چہرے پہ کتنا اطمینان تھا۔ چھوٹے بچے بڑے سب اپنی اپنی زندگی میں مگن۔

سیکورٹی چیک سے اندر داخل ہو کر وہ اندر داخل ہوئی تھیں۔ موسم بدل چکا تھا، گرمیاں آ چکی تھیں، یخ ٹھنڈے اے سی نے سکون پہنچایا تھا۔ اتنی زیادہ منزلیں، الیکٹرانک سیڑھیاں، بجلی والی سیڑھیاں جو بجلی سے چلتی تھیں کنیز فاطمہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

اور ایک بار پھر اسے جیسے لگا تھا کہ اس کا تھل کہیں پیچھے رہ گیا ہے۔ ”تھل کے باہر دنیا کتنی ترقی کر چکی ہے اور ہمیں معلوم ہی نہیں۔“ ایک آوارہ سی سوچ نے اس کے دماغ میں جگہ بنائی تھی۔

”یہ شہر کے لوگ، یہ تھل کے باہر کے لوگ پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی زندگی میں کتنی سہولتیں ہیں کہ ایک بٹن دبایا اور سب حاضر اور ادھر ہم تھل کی ریت میں جلتے بھنتے رہتے ہیں اور کڑکڑاتی ہوئی گرمی میں ہمارے گھر میں بیٹھی ماں بہنوں کو پتا ہی نہیں کہ یہاں زندگی کتنی پرسکون اور ٹھنڈی ہے۔“

رنگ و نور اور روشنیوں کا ایک سیلاب تھا۔ اندر تھری ڈی گیمز بوتھ پر بچے گیم کھیل رہے تھے۔

جوتوں کی دکانوں میں چمکتے دمکتے ہوئے جوتے جن کے پرائس ٹیگ اسے آنکھیں چرانے پر مجبور کر رہے تھے۔

ڈیزائنر ویئرز کی دکانیں جہاں وہ مختلف قسم کے برانڈز کی نیو کلیکشن پر بحث کر رہی تھیں۔

زندگی میں پہلی بار یہاں اپنا آپ حقیر ترین لگا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ اس کے پاس ڈھیر سارا پیسہ ہو، گھر، گاڑی ہو، اور ان شیشے جیسے چمکتے لشکارے مارتے لوگوں کی طرح کی زندگی گزارے۔۔

وہ اپنے آپ کو موازنے سے ایک بار پھر سے روک نہیں پائی تھی۔ آج اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اپنے تھل میں مس فٹ تھی۔ اس کی نظریں عدن اور گوہر کی طرف بھی پڑتی رہیں جو اتنی نازک اسٹائلش تھیں کہ ہر نظر ان کے چہرے پر ٹھہرتی تھی۔ عدم اور فردوس گوہر انہیں ہر چیز کے بارے میں بتاتی رہیں۔

”یہ اچھا برانڈ ہے۔ ان کا کپڑا اچھا ہوتا ہے۔“ ان کی لان کلیکشن بہت اچھی ہوتی ہے۔ یہ ست رنگی والوں کا ہے۔ ان کے لیلن کے پرنٹڈ سوٹ بہت خوب صورت ہیں۔“

روشنیاں، فانوس، خوشبوئیں اور کافی کی مہک ۔۔۔! جیولری شاپ پر نقلی موتیوں کی چمک نے اصل کا حسن بھی چھین لیا تھا۔

ٹھنڈے یخ اے سی میں بھی تھل واسی کنیزاں فاطمہ کی ہتھیلیوں میں بھنچا ہوا وہ پانچ سو کا اکلوتا نوٹ پسینے میں ڈوب گیا تھا۔

سیکھا ہے جینا زندگی نے ہجر سے
پھر جیا ایسا کہ ہر ایک ضبط ہوا لا

☆☆

www.zemtime.com